بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلہ ۶۰/۷

دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

از سید ابو الحسن علی ندوی صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ (سورۃ التحریم - ۶)

ترجمہ: "اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو ایسی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ بجا لاتے ہیں۔"

حضرات! میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی ہے جو اس سے پہلے بارہا آپ کے سامنے پڑھی گئی ہوگی، اور قرآن شریف کی تلاوت میں آپ کی نظر سے گزری ہوگی لیکن ضروری نہیں ہے کہ جو چیز بار بار نظر کے سامنے

www.abulhasanalinadwi.org

آئیے اس پر آدمی غور بھی کرے، آپ سڑکوں پر سے گزرتے ہیں، سائن بورڈ برسوں سے لگے ہوئے ہیں، آپ کی نظر بھی پڑتی ہے، لیکن آپ خود سوچئے کہ آپ نے کتنی بار غور سے پڑھا اور آپ کو یاد رہا، اگر آپ سے پوچھا جائے کہ آپ جس سڑک سے گزر کر آتے ہیں، اس میں اہم اہم سائن بورڈ کس چیز کے ہیں تو کم لوگ بتا سکیں گے۔

آیت بڑی چونکا دینے والی ہے اور ایسی ہے کہ اگر اس کا خطرہ نہ ہو کہ بار بار جو چیز سامنے ہوتی ہے اس پر توجہ ہٹ جاتی ہے، وہ روزمرہ کی چیزوں سے سمجھی جانے لگتی ہے تو میں عرض کرتا اور اصرار کرتا کہ یہ آیت جلی حروف سے لکھوا کر دیوار دل پر لگوا دی جائے۔ مسجدوں میں بھی آویزاں کر دی جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے وہ لوگو جو خود ایمان لا چکے ہو "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" یہ "اٰمَنُوْا" ماضی کا صیغہ ہے۔ ہر لفظ پر غور کیجئے۔ قرآن مجید کا کوئی لفظ اتفاقی یا بھرتی کا نہیں ہوتا، یہ کوئی شاعری نہیں "یٰٓاَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ" کہا جا سکتا تھا۔ "یٰٓاَیُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ" کہا جا سکتا تھا۔ اے مسلمانو! اے جماعت مومنین! لیکن فرمایا "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" اے وہ لوگو جو خود ایمان لا چکے ہو "قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" بچاؤ اپنی جانوں کو، اپنے گھر والوں کو، اپنے متعلقین کو، اپنے ماتحتوں کو آگ سے جس کا ایندھن ہے آدمی اور پتھر" اس آیت کے مخاطب مسلمان تھے، وہ صحابہ تھے، جو قرآن مجید کے نزول کے وقت موجود تھے، وہ اوّلیں مخاطب تھے، یوں قیامت تک کی تمام نسلیں اور جو بھی پیدا ہوا اور اپنے کو مسلمان کہے وہ سب مخاطب ہیں لیکن پہلے مخاطب اس کے وہ لوگ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ ایمان

www.abulhasanalinadwi.org

لا چکے تھے۔ آپؐ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا تھا، جن کو شرفِ صحابیت حاصل تھا اور اس میں یقیناً وہ لوگ بھی تھے جو بیعتِ رضوان میں شریک ہے ہوں گے جنھوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے جان دینے پر بیعت کی تھی اور جن کے متعلق ارشاد ہے: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ (سورہ الفتح - ۱۸)

ترجمہ (اے پیغمبرؐ) جب مؤمن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق و خلوص) ان کے دلوں میں تھا: وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انھیں جلد فتح عنایت کی)

جن کو یہ انعام ملا تھا اور جن کو قیامت تک کے لیے سند دی گئی ہے کہ اللہ ان سے راضی ہوا، ایسے سند یافتہ اور بلند مرتبہ لوگ بھی اس آیت کے مخاطب ہیں جو بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے تھے اور عشرۂ مبشرہ بھی اس میں یقیناً شامل ہیں اور کبار صحابہ بھی اس میں شامل ہیں، اور بدر اور اُحد کے "زندہ شہید" بھی مخاطب ہیں۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی آدمی جان بوجھ کر اپنے لڑکوں کو اپنے گھر والوں کو آگ میں جھونکتا ہے، آگ میں گھسنے دیتا ہے؟ اس کا کیا مطلب کہ اللہ کہتا ہے کہ اے وہ لوگو جو خود ایمان لا چکے ہو، اب تمہارا کام یہ ہے کہ اپنی جانوں کو بچاؤ۔ اپنے گھر والوں کو بچاؤ۔ دوزخ کی آگ سے، کیا کوئی واقعہ آپ نے سیرت میں ایسا پڑھا ہے کہ صحابۂ کرامؓ نے (معاذ اللہ) ارادہ کیا تھا کہ اپنے بچوں کو آگ کے حوالہ کر دیں، یا بچے آگ میں کودنا چاہتے تھے اور صحابۂ کرامؓ اور

www.abulhasanalinadwi.org

اس وقت کے مسلمان خاموش بیٹھے ہوئے تماشا دیکھ رہے تھے، اور اس صورت حال پر راضی تھے، کیا ایسا کوئی واقعہ آپ کی نظر سے گزرا ہے؟ تو کیا بے ضرورت یہ بات کہی گئی ہے کہ اے وہ لوگو جو خود ایمان لا چکے ہو تمہارا کام یہ ہے کہ اپنی جانوں کو، اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ، یہ کون سی آگ تھی، اور کب یہ واقعہ پیش آیا تھا، یا پیش آنے والا تھا کہ مسلمانوں کے گھروں کے بچے آگ میں کودنا چاہتے تھے، اور ماں باپ سو رہے تھے، فکر نہیں کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس وقت وحی نازل کی، سب چونک گئے اور سب اپنے بچوں کی فکر میں لگ گئے کہ آگ میں چھلانگ نہ لگائیں، پھر اس آیت کا مطلب کیا ہے؟

کیا اس آیت کا مطلب اس کے سوا اور کچھ ہو سکتا ہے کہ اپنے بچوں کو، اپنے گھر والوں کو ایسی چیزوں سے بچاؤ جو آگ تک لے جانے والی ہیں جن کا انجام یہ ہونے والا ہے کہ دوزخ میں جائیں، ورنہ وہ کون سے انسان ہیں جو اپنے بچوں کو آگ کی طرف جاتے ہوئے دیکھیں اور ان کو روک نہ لیں؟ خطرہ صرف اس بات کا ہے کہ آدمی یہ نہ جانتا ہو کہ اس کے نتیجہ میں جلنا ہوتا ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ ایسے اسباب سے بچاؤ جو دوزخ کی آگ تک پہنچانے والے ہیں۔ اس کو فقہ کی زبان میں "اسباب مؤدیہ" کہتے ہیں، یعنی وہ اسباب جو کسی نتیجہ تک پہنچانے والے ہوں، فقہاء کے نزدیک وہ بھی نتائج کے حکم میں داخل ہیں، مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو ایسی دوا دے رہا ہے جس کے نتیجہ میں موت ہوتی ہے چاہے وہ دیر سے ہو، یہ عمل قتل ہی کے مترادف ہے، اس لیے کہ اس نے وہ سبب اختیار کیا جس کے نتیجہ میں موت کا آنا یقینی ہے تو قانون بھی اس کو قاتل کہے گا، حکیم صاحبان

www.abulhasanalinadwi.org

بھی اس کو قاتل ہی سمجھیں گے، یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ ایسی چیزوں سے بچاؤ جو آگ تک پہنچا دینے والی ہیں۔

اب میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ صورتِ حال اس وقت یہی ہے، بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام نہ کرنا بچوں کو اس ماحول کے بالکل حوالہ کر دینا اور ان کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا جو اس بات کا نہ مکلف ہے نہ اس بات کا مدعی، نہ اس بات کا اہل کہ وہ بچوں کو وہ تعلیم دے گا جس پر نجات موقوف ہے پیغمبروں کی لائی ہوئی وہ تعلیم جس سے ناواقفیت کے نتیجہ میں ایمان کا خطرہ ہے۔ آخرت کی ہلاکت ہے، تو اب یہ دیکھنا چاہیے کہ اس بات کو بچے کے لیے کیسے گوارا کیا جا رہا ہے؟ موجودہ تعلیمی نظام صرف لادینی (SECULAR) ہی نہیں وہ ایک مثبت و معین نظامِ تعلیم (SYSTEM OF EDUCATION HINDU MYTHOPOSITIVE LOGY) ہے۔ ہندو دیومالا اس میں شامل ہے، انگریزوں کے زمانہ میں تعلیم سیکولر تھی، بلّی کُتے کے قصے ہوتے تھے اور ہم میں سے بہت سے لوگوں نے انگریزوں کے عہدِ حکومت میں انگریزی پڑھی ہے، اس وقت زبان سکھانے والی ابتدائی کتابوں سے نہ کسی کے عقیدہ پر اثر پڑتا تھا، نہ کسی مخلوق کا تقدس پیدا ہوتا تھا اور نہ اس کائنات میں کسی مخلوق کا تصرف و اختیار معلوم ہوتا تھا، اس وقت بھیڑیئے، چیتے، بندر اور لومڑی اور بلّی، کُتے کے قصے بچے پڑھتے تھے، ویسے کے ویسے ہی گھر آتے تھے جیسے جاتے تھے لیکن اب صورتِ حال یہ نہیں ہے۔ سرکاری نصابی کتابوں میں عقیدہ پر اثر ڈالنے والے اسباب، قصے کہانیاں اور مضامین ہوتے ہیں اور جو کسر کتابوں میں رہ جاتی ہے وہ ماسٹر صاحبان پوری کرتے ہیں، بچوں کو کچھ

www.abulhasanalinadwi.org

اجتماعی کام ایسے کرنے پڑتے ہیں جو اسلام کے عقیدۂ توحید کے منافی ہیں۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ڈھلوان راستہ ہو، جس پر پاؤں بھی نہ جمتے ہوں اس پر کوئی بچہ سائیکل پر بیٹھا ہوا جا رہا ہو آگے کھائی ہو، سائیکل کا بریک بھی ٹھیک کام نہ کرتا ہو، باپ دیکھ رہا ہے کہ بچہ سائیکل پر بیٹھا ہے اور اس سے بھی واقف ہے کہ بریک نہیں ہے، اس سے بھی واقف ہے کہ کوئی اور ترکیب نہیں کہ وہ سائیکل پر جاتے ہوئے کھائی سے بچ سکے گا تو کیا یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس باپ نے جانتے بوجھتے اپنے بچے کو کھائی میں گرنے دیا، کیا کوئی صاحب اس سے انکار کر سکتے ہیں؟

اگر اس سے انکار نہیں کر سکتے تو اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ موجودہ نظامِ تعلیم سے بچے کا ایمان کیسے سلامت رہے گا اگر خارجی و اضافی دینی تعلیم کا انتظام نہیں ہے۔ (جس کو سائیکل میں بریک کا قائم مقام کہا جا سکتا ہے) جس میں تحفظ کا انتظام ہے، کہ اسکول میں بچہ جو کچھ پڑھ کر آتا ہے، اس کی اصلاح کی جاتی ہے اور اگر اس کو کوئی ایمانی توحیدی ڈوز (Dose) دیا جاتا ہے۔ صباحی یا شبینہ مکتب ہیں، تعلیمی حلقے ہیں، کوئی دینی کتاب سنائی جاتی ہے۔ ماں باپ دین کی تلقین کرتے ہیں، اچھے اچھے شوق انگیز اور دین آموز قصے سناتے ہیں۔ گھر کا ماحول دینی ہے، تب تو یہ کسی درجہ میں بریک کے قائم مقام ہیں، اور اگر ایسا نہیں تو آپ نے گویا اپنے بچوں کے کان میں کہہ دیا ہے کہ "اسکول کی ہر بات مان لینا۔" یہ کان میں کہنے ہی کے مترادف ہے کہ آپ نے بچے کا نام کسی اسکول میں لکھایا اور باہر سے کوئی انتظام نہیں

www.abulhasanalinadwi.org

کیا، گویا آپ نے اپنے بچہ کو ایک طرح کی ترغیب دی ہے کہ وہ ہر غیر اسلامی بات مانتا چلا جائے۔ اب اگر وہ مانتا چلا گیا اور باہر سے کوئی انتظام نہیں ہے، نہ اردو جانتا ہے کہ دینی کتابیں پڑھ سکے، نہ محلہ میں کسی مکتب کا انتظام ہے۔ تو آپ بتایئے کیا آپ "قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا" کے مخاطب نہیں ہیں؟

لکھنؤ کے ایک زنانہ جلسہ میں خواتین کی بڑی تعداد تھی، میں نے کہا ایک ماں کا قصہ آپ کو سناتا ہوں، ایک تعلیم یافتہ خاتون ایک دعوت میں شریک تھیں، بیبیوں نے دیکھا کہ وہ بے چین اور متفکر سی ہیں، باتوں میں ان کا دل نہیں لگ رہا ہے، ان کی عزیز بیبیاں اور سہیلیاں سب بیٹھی دلچسپی کی باتیں کر رہی ہیں، بہت دنوں کے بعد وہ اکٹھا ہوئی تھیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان خاتون کا دل و دماغ کہیں اور ہے، وہ کہیں اور دیکھ رہی ہیں، ان سے پوچھا گیا کہ بہن کیا بات ہے؟ طبیعت کچھ خراب ہے؟ کوئی اندرونی تکلیف ہے؟ بہت پوچھنے پر انھوں نے کہا کہ کچھ نہیں میں گھر میں ماچس کی ڈبیا چھپانا بھول گئی، بچہ وہاں ہے، مجھے کھٹکا لگا ہوا ہے کہ کہیں وہ اس میں سے تیلی نکال لے اور مسالہ سے رگڑ کر اپنے کپڑوں میں آگ لگا لے۔ بیبیوں نے پوچھا اللہ رکھے بچہ کی کیا عمر ہے؟ خاتون نے جواب دیا یہی دو سال کی، خیال کیجئے بچہ ماچس کے بکس کو کھولنا جانتا ہے یا نہیں؟ اگر جانتا ہے اور کھولے گا تو ایک تیلی رگڑے گا یا سیدھی رگڑے گا جدھر مسالہ ہے، مگر ؎

عشق است و ہزار بدگمانی

www.abulhasanalinadwi.org

محبت یہ سب چیزیں پیدا کر دیتی ہے۔ وہ چونکہ ماں ہیں۔ اللہ نے مامتا دی ہے، محبت دی ہے بچہ کی، اس لیے وہ باتیں جو بہت بعید از قیاس ہیں اور کہیں برسوں میں ہوتی ہیں، سب ان کے سامنے نقشہ کی طرح ہیں۔ بچہ کھیلتے کھیلتے وہاں پہنچا، ماچس کی ڈبیا اٹھائی اس کو کھولا اس نے کبھی دیکھا تھا اپنی بڑی بہن کو یا بھائی کو کس طرح اس سے کام لیا جاتا ہے، اس نے اس کی نقل کی اور اپنے کپڑوں میں آگ لگالی جب گھر گئے تو معلوم ہوا کہ (خدانخواستہ) یہ واقعہ پیش آیا، اتنے دور کے احتمالات کی وجہ سے وہ بی بی وہاں اس طرح بے چین نظر آتی تھیں کہ جیسے کوئی آدمی دہکتے ہوئے گرم پتھر پر کھڑا ہو، یا کوئی کانٹوں پر بیٹھا ہوا ہو۔

کیا دین کے منافی ماحول میں دین و ایمان سے محروم ہو جانے کے احتمالات جانی خطرات کے احتمالات سے زیادہ قوی نہیں ہیں۔ جو اس چاہنے والی ماں کے دل میں پیدا ہوئے؟ ہمارے بچے جو پڑھ رہے ہیں، جن کو آپ نے ایک دن نہیں بتایا کہ توحید کیا ہے؟ آپ نے کوئی انتظام اپنے شہر میں دینی مرکز کا نہیں کیا، جہاں بچے پڑھ کر پھر اسکولوں میں جاتے اور اپنا ایمان بچانے کے قابل ہو جاتے، نہ گھروں میں وہ ماحول نہ محلہ اور بستی میں یہ فضا اسکولوں کو میں کیا کہوں، میں عربی مدرسوں کا آدمی ہوں۔ وہاں یہ حالت ہے کہ اب جو بچے آرہے ہیں وہ بھی ایسی بنیادی باتوں سے ناواقف ہیں، جن کا ہمارے بچپن میں خیال بھی نہ ہو سکتا تھا کہ کوئی مسلمان بچہ ان سے ناواقف ہوگا۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ کیا ہوگا؟ نسل کی نسل دین سے بالکل ناآشنا

www.abulhasanalinadwi.org

ہوگی، اردو پڑھ نہیں سکے گی، آج یہ حالت ہو رہی ہے کہ ایک بڑے طبیہ کالج کے جس کی ایک تاریخ ہے۔ ایک طالب علم سے کوئی مضمون لکھوانا تھا یا خط لکھوانا تھا، تو سوچا کہ یہ صاحب تو طب کی کتابیں پڑھتے ہیں جو عام طور پر عربی فارسی میں ہیں، بہت نیچے اتریئے تو اردو میں ہیں ان سے کہا آپ لکھیئے، وہ لکھتے رہے لوگ سمجھتے رہے کہ لکھ لیا، دیکھا تو وہ ہندی میں تھا، ان سے کہا گیا کہ آپ یونانی طب پڑھتے ہیں اور اردو نہیں لکھ سکتے؟ انھوں نے کہا کہ ہمیں تو یہی پڑھایا گیا ہے۔ تو ایک ایسی نسل کے تیار ہونے کا محض اندیشہ نہیں، مشاہدہ میں آرہا ہے، دین کی بنیادی چیزوں سے ناواقف، بنیادی عقائد سے ناواقف، اللہ اور رسولؐ کا ہمارے دل و دماغ میں جو عقیدہ بسا ہوا ہے اس سے ناواقف۔ یہ نسل پیدا ہوگئی ہے اور جوانی کے قریب اب پہنچ رہی ہے۔ شروع ہونے کا زمانہ تو گیا، آنکھوں سے دیکھا گیا ہے کہ سیرت پر تقریر کرنی ہے۔ اسلامیہ اسکول ہے، کالج ہے، جامعہ ہے، اور ایک مسلمان نوجوان طالب علم کو کسی نے سیرت کا مضمون دیا، وہ ہندی میں لکھ کر لایا، اور اردو میں پڑھا، الفاظ تو اردو اور رسم الخط ہندی، اور یہ رسم الخط تو وہ چیز ہے کہ آرنلڈ ٹوائن بی (TOYNBEEARNOLD) جو اس زمانہ کا بڑا فلسفی، مؤرخ (PHILOSOPHERHISTORIAN) ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ اب کسی کتب خانہ کو آگ لگانے کی ضرورت نہیں، رسم الخط (SCRIPT) بدل دینا کافی ہے۔ اس سے اس قوم کا رشتہ اپنے ماضی سے بالکل ٹوٹ

www.abulhasanalinadwi.org

جائے گا اور اس کی پوری تہذیب اس کے لیے بے معنی ہو کر رہ جائے گی اور پھر جس طرف چاہے لے جاؤ۔ جو چیز کسی ملت کو اس کے ماضی سے اس کے مذہب سے، اس کی تہذیب سے، اس کے کلچر سے ملاتی ہے، وہ رسم الخط ہے، رسم الخط بدلا نسل بدل گئی۔ آج ہندوستان میں یہی ہو رہا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات محض ملک کو بدنام کرتے ہیں فائدہ ان کا کچھ نہیں ہے، تعلیم کا نظام بدلنا کافی ہے۔ آج سے ساٹھ برس پہلے اکبر مرحوم نے کہا تھا ؎

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

ایک طویل المیعاد منصوبہ بندی ہے، ذرا دیر لگے گی، تیس چالیس برس میں خود ایک ایسی نسل تیار ہو جائے گی جس کے نزدیک کفر و ایمان کا فرق، توحید و شرک کا فرق، عقائد و مذہب کا فرق سب بے معنی باتیں ہو جائیں گی۔ کچھ کرنا نہیں پڑے گا۔

مسلمان ماں باپ اس ڈر سے کہ ہمارے بچے کا کیریر خراب ہو جائے گا۔ اس کی مادری زبان اردو نہیں لکھاتے، اس کی دینیات کی تعلیم کا انتظام نہیں کرتے بھلا ایمان کے ساتھ یہ بات جمع ہو سکتی ہے؟ مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ اگر کسی طریقہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے بچے کی تقدیر میں اسلام نہیں ہے یا یہ خدانخواستہ مسلمان نہیں رہے گا تو دعا کرے کہ اللہ اس کو خیر و عافیت سے اٹھالے، یہ مسلمان کی شان ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ اور اپنے زمانہ کی ایک بڑی شاعر خاتون ہیں، وہ بڑا دردمند دل رکھتی ہیں، انھوں نے ساری عمر اپنے دو بھائیوں کے مرثیے کہے، جو ان کو داغ مفارقت دے گئے تھے۔ کہا جاسکتا ہے کہ کسی زبان میں عورت کے کہے ہوئے مرثیوں کا اتنا بڑا ذخیرہ نہیں جو انھوں نے اپنے بھائیوں کی یاد میں یادگار چھوڑا ہے، ان کا پورا دیوان صرف بھائیوں کے مرثیے سے بھرا ہوا ہے۔ ایسا دردمند دل رکھنے والی خاتون ایک معرکۂ جہاد میں اپنے ایک بیٹے کو بلاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ بیٹا جاؤ تم کو میں نے اسی دن کے لیے پالا تھا، جاؤ اللہ کے راستے میں جان دے دو، پھر دوسرے بیٹے کو بلاتی ہیں، تیسرے بیٹے کو بلاتی ہیں، اور جب سب کی شہادت کی خبر آتی ہے تو کہتی ہیں "الحمد للہ الذی أکرمنی بشھادتھم" اس خدا کا شکر ہے جس نے ان کی شہادت کے ذریعہ میری عزت بڑھائی، یہ ایمان کی شان ہے کہ اسلام پر مجھے قربان

آج مسئلہ یہ ہے کہ اس نسل کو کیسے بچایا جائے کیسے مسلمان رکھا جائے، سرکاری تعلیم کی اصلاح کی کوشش کے ساتھ دینی تعلیم کا کوئی متوازی نظام بھی ہونا چاہیے۔

(بشکریہ تعمیر حیات لکھنؤ)

---

www.abulhasanalinadwi.org

زبان کا قومی زندگی میں کردار

انسان کو اللہ رب العزت نے مدنی الطبع فرمایا ہے۔ اسی لیے وہ زندگی گزارنے میں اجتماعیت کا محتاج ہے۔ تن تنہا زندگی نہیں گزار سکتا جب باہم مل جل کر رہیگا تو افادہ واستفادہ کی ضرورت ہوگی اور ان دونوں کے لیے زبان وبیان کا واسطہ اختیار کرنا پڑتا ہے، مافی الضمیر ادا کرنے کے لیے ہر انسان عموماً مادری زبان اختیار کرتا ہے، گو زبانیں مختلف ہیں لیکن ہر زبان کے کچھ اثرات ہوتے ہیں، جو اس کے بولنے اور سننے والوں کے قلب اور دماغ کو متاثر کرتے ہیں۔ قوموں کے عروج وزوال اور بناؤ بگاڑ میں زبان کو بڑا دخل ہوتا ہے، ہر قوم کی زبان اپنے ساتھ ایک تہذیب رکھتی ہے، شعراء کے کلام اور مقالات لکھنے والوں کے مضامین مخصوص کلچر اور ثقافت کے محور پر گھومتے رہتے ہیں۔

معاشرہ میں کوئی بھی زبان بولی جائے اس سے معاشرہ کا مسلک اور مذہب معلوم ہو جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ زبان کے الفاظ اور اس کی کہاوتیں اور مروجہ حکایتیں اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ بولنے والے کا باطن کن عقائد و افکار سے مانوس ہے، زبان وبیان کا اثر انسان کے کردار پر بھی پڑتا ہے اسی لیے تو اہل خرد اپنی نسلوں کو ایسی زبان پڑھانے سے باز رکھتے ہیں جو اپنے اخلاق و افکار سے ہم آہنگ نہ ہو، فارسی میں اخلاقیات پر بہت کتابیں لکھی گئی ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

پھر وہ اردو میں بھی منتقل ہوئیں۔ جب تک یہ کتب زیر درس رہیں اس وقت تک برصغیر کے انسانوں میں برابر اخلاقیات کی تعمیر ہوتی رہی۔

اردو زبان میں غضب کی بلاغت ہے۔ اس کی کہاوتیں عبرت آموز اور کہانیاں دل افروز ہیں۔ اس کے الفاظ اور امثال، حکایات و روایات معاشرہ کے مہذب بنانیوالے اور نوخیز نسلوں کو اچھے ابھار پر اٹھانے والے ہیں۔ الفاظ کے پس پردہ جو حقائق پنہاں ہیں اور محاورات کی تہہ میں جو مصادر مضمر ہیں اگر ان پر توجہ مرکوز کر دی جائے تو اخلاق و اعمال پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے مثلاً اصل اردو میں یہ رواج رہا ہے کہ جب کسی نے اپنے مخاطب سے نام پوچھا تو جواب ملا نام تو اللہ ہی کا ہے، احقر کو فلاں نام سے یاد کرتے ہیں۔ کیسا نصیحت آموز محاورہ ہے۔ اللہ کی بڑائی کا اظہار کیا اور اپنے بارے میں تواضع اختیار کی۔ اسی طرح جب پوچھا جاتا ہے کہ آپ کا دولت خانہ کہاں ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ غریب خانہ فلاں شہر یا بستی میں ہے۔ سائل نے دولت خانہ کہہ کر مخاطب کا اکرام کیا لیکن جواب دینے والے نے اپنے حق میں تواضع کو مناسب جانا اور لفظ "دولت خانہ" کو "غریب خانہ" سے بدل دیا۔

پرانے اکابر محاورات کے ذریعہ دینی ذہن بناتے تھے اور حکایات و امثال کے ذریعہ کامل تربیت دیا کرتے تھے۔ دیکھئے! لفظ عبادت کا ترجمہ ہندی زبان میں لفظ پوجا سے کیا جاتا ہے لیکن دونوں کا پس منظر الگ الگ ہے۔ لفظ عبادت سے ذہن اچانک ذاتِ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی پرستش کی طرف جاتا ہے اور لفظ پوجا سے معبودانِ باطلہ کے سامنے ماتھا ٹیکنے کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان میں عربی اور فارسی کے اثرات سے اسلامی تمدن اور

www.abulhasanalinadwi.org

اسلامی خیالات کی ایک رَو دوڑ گئی تھی۔ ان اسلامی اثرات کے نمونے اب تک بھی ہندوستان کی مختلف قوموں کے طرزِ تمدن اور مختلف اصلاحی اور مذہبی تحریکوں کی صورت میں موجود ہیں لیکن اس وقت جب سے انگریزی زبان نے فروغ پایا ہے تو ہر طرف الحاد و لامذہبی کا دَور دَورہ نظر آتا ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ کیا انگریزی زبان میں اسلامی تعلیمات موجود نہیں؟ کیا قرآن مجید اور صدہا اسلامی کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ نہیں ہوا؟ کیا انگریزی میں اسلامی کتابیں تصنیف نہیں ہوئیں؟ کیا وجہ ہے کہ اسلامی تعلیم مغرب کی مادی تہذیب کے اثرات پر غالب نہیں آسکتی۔ انگریزوں کو متاثر کرنا تو درکنار خود انگریزی خواں مسلمانوں میں اپنے مذہب سے بیگانگی اور بیزاری پائی جاتی ہے۔ غور کرنے سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اہلِ مغرب کی صدیوں کی اسلام دشمنی اور عیسائیت میں قدیم کا فرانہ عقائد کی آمیزش نے اسلام کا صحیح تصور سامنے نہیں آنے دیا اور پھر موجودہ مادی تہذیب نے مغربی زبانوں کو اس قابل ہی نہیں رکھا کہ وہ اسلام کے حقیقی تخیل کو کما حقہٗ ادا کریں، انگریزی زبان اس وقت پھیلاؤ کے اعتبار سے بڑی زبانوں میں مانی جاتی ہے اور وسعت کے لحاظ سے شاید ہی کوئی زبان اس کا مقابلہ کرسکے، لیکن مخصوص اسلامی خیالات کے اظہار میں نہ صرف افسوس ناک طور پر خام و نامکمل ثابت ہوئی ہے بلکہ اکثر اوقات سخت غلط فہمیاں پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ چند نمونے امثال کے طور پر ملاحظہ ہوں جن سے اس زبان کی خامی اور غیر موزونیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

لفظ نبی عربی کا لفظ ہے۔ قرآن و حدیث میں جگہ جگہ وارد ہوا ہے، عربی اور اردو میں استعمال کرنے سے اس کا جو مفہوم ذہن میں آتا ہے اُس سے ہر مسلمان واقف ہے لیکن انگریزی میں اس کی جگہ پراِفٹ کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا مفہوم ہے ایک پیشین گوئی کرنے والا اس کی اصل کا ہنوں کے تصور سے معلوم ہوتی ہے اور انگریزی کے موجودہ

www.abulhasanalinadwi.org

لٹریچر میں تو یہ نہایت ہی ادنیٰ مفہوم میں مستعمل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہولی پرافٹ بولا جاتا ہے لیکن ..... درحقیقت انگریزی زبان میں لفظ پرافٹ اس قدر متبذل ہے کہ "مقدس" کا اضافہ بھی اُس کے ابتذال کے اثر کو زائل نہیں کرسکتا۔ حضرات انبیاء کرام انسانوں میں جس بلند ترین درجے کے مالک ہیں، اُن کا یہ مرتبہ انگریزی کے لفظ پرافٹ سے کسی طرح بھی ظاہر نہیں ہوسکتا۔

اب لفظ ہجرت کو لیجیے! اسلام میں ہجرت کا لفظ سنتے ہی انتہائی ایثار، قربانی کا مقدس واقعہ ذہن میں آجاتا ہے، جس سے پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے رفقاء کی عظمت کا نقش دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ فلائیٹ کیا جاتا ہے جس کے معنی ہیں فرار یا بھاگ جانا۔ اس ترجمہ سے سامع کے دل پر جو تاثر اثر ہوتا ہے وہ صاف ظاہر ہے لیکن اس کے باوجود انگریزی زبان میں مسلمان مصنفین بھی یہی لفظ استعمال کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ لفظ طاہر اور نجس دونوں ایک دوسرے کے ضد ہیں۔ مسلمان ان دونوں لفظوں کو بولتے ہیں تو ان کے معنی سمجھتے ہیں، اور طاہر و نجس کا مصداق بھی پہچانتے ہیں۔ بچہ بچہ جانتا ہے کہ یہ شئی طاہر ہے اور یہ چیز نجس ہے، پھر جاننے کے بعد عملی زندگی میں اس کا ظہور ہوتا ہے، طاہر شئی سے بدن اور لباس کو آراستہ کیا جاتا ہے اور نجس شئی سے احتراز کیا جاتا ہے لیکن جن زبانوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں، اُن زبانوں کے بولنے والے ان کے مفاہیم اور مصادیق سے بالکل ناواقف ہیں۔ ایک گریجویٹ مسلمان کی کسی انگریز سے بحث ہوگئی۔ انگریز نے اپنی زبان کی وسعت اور ہمہ گیری کا دعویٰ کیا۔ اس پر مسلمان نے کہا کہ انگریزی زبان میں لفظ پاک کے لیے کوئی لغت نہیں ہے۔ انگریز کہنے لگا کیوں نہیں لفظ ہولی سے یہ مفہوم ادا ہوتا ہے۔ مسلمان نے کہا۔ ہرگز نہیں۔ یہ لفظ "مقدس" کی ترجمانی کرتا ہے لفظ طاہر کے معنی نہیں دیتا۔ پھر انگریز نے اس کی جگہ لفظ کلین پیش کیا۔ مسلمان نے کہا یہ بھی صحیح نہیں۔ کلین صفائی کے معنی میں آتا ہے۔ طاہر کے معنی نہیں ہوسکتا کہ ایک

دارالکتاب
www.abulhasanalinadwi.org

چیز صاف ہو مگر ظاہر نہ ہو جیسے ناپاک پانی سے دھویا ہوا کپڑا، اور ممکن ہے کہ کوئی چیز صاف نہ ہو مگر پاک ہو، جیسے گرد آلود میلا کپڑا، تو جن قوموں کے یہاں یہ لغت ہی نہیں، وہ پاک اور اس کے بالمقابل نجس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، نہ نجاست سے بچ سکتے ہیں، نہ طہارت سے متصف ہو سکتے ہیں۔

زبان جس طرح مذہب کی صحیح ترجمانی کرتی ہے اسی طرح اپنے معاشرہ کے کردار کو بلند یا پست کرنے میں بھی اُسے خاص دخل ہے۔ ہر زبان کی کہاوتیں اور مروجہ کہانیاں اور ادیبوں کے مضامین اور شعراء کے قصائد سے بالکل واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اس زبان کے بولنے والے کن اخلاق کے حامل ہیں اور کیسے اعمال کے عادی ہیں۔ شعراء کا کلام جہاں فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بیان و لسان کی بلندیاں ظاہر کرتا ہے وہاں اپنے معاشرے کی خاص ذہنیت اور کردار و کیرکٹر کی بلندی یا پستی کا بھی پتہ دیتا ہے۔ اگر فواحش و منکرات کو اچھے ناموں سے موسوم کر دیا جائے تو ذہنوں سے ان کی قباحت نکل جاتی ہے۔ آجکل یہی ہو رہا ہے کہ بیحیائی کے کاموں کو ثقافت سے اور رقص و سرود کو فنونِ لطیفہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، مگر اس کا نتیجہ نظروں کے سامنے ہے کہ نئی نسل کے ابھرتے ہوئے نوجوان ان چیزوں کی برائی سے نہ صرف یہ کہ ناواقف ہیں بلکہ ان کو کمالِ انسانیت سمجھتے ہیں۔ اچھا نام رکھنے سے بُری چیز اچھی نہیں ہو جاتی لیکن بار بار اُسے اچھے نام سے یاد کرنے کے باعث اس کی خرابی ذہن سے نکل جاتی ہے اور اس طرح معاشرے کے کردار پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ زبان کو انسان کے ابھارنے میں بہت بڑا دخل ہے اور معاشرہ کو خیر و شر پر ڈالنے میں زبان کے محاورات اور مروجہ حکایات و روایات کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ قومی زندگی کا نشیب و فراز زبان سے ہوتا ہے، افراد سے جماعتیں بنتی ہیں اور افراد اپنا اپنا کردار لے کر جماعت میں داخل ہوتے ہیں۔ افراد کی خرابی سے جماعتیں خراب ہو جاتی ہیں۔ انفرادی اصلاح میں زبان کو بہت بڑا دخل ہے۔ البتہ مصلح کو چاہیے کہ حکمت اور موعظۂ حسنہ کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ (وباللہ التوفیق)

الفاروق پرنٹنگ پریس فون: 7723748
www.abulhasanalinadwi.org